حق کا داعی اور مسلک سلف کا ترجمان
ماہنامہ
الجماعۃ
نومبر-دسمبر ۲۰۱۷ء / صفر-ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

اے دورِ جدید کے معمارو!

محاسبہ، توبہ اور عزم

"اور فائدہ مند طریقوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان جب سونے کا ارادہ کرے تو کچھ وقت کے لیے اپنے نفس کا محاسبہ کے لئے بیٹھے جس میں وہ محاسبہ کرے کہ دن بھر میں کتنا فائدہ کیا ہے اور کتنا نقصان اٹھایا ہے، پھر وہ اپنے اور اپنے اللہ کے درمیان توبۃ نصوح کی تجدید کرے اور اس توبہ کی حالت میں سو جائے اور یہ عزم مصمم کرے کہ جب وہ بیدار ہو گا تو وہ دوبارہ وہ گناہ نہیں کرے گا، ایسا ہر رات کرے، تاکہ اگر اس رات اس کی موت ہو جائے تو توبہ پر اسکی موت ہو اور اگر بیدار ہو جائے تو وہ آئندہ عمل کا استقبال کرتے ہوئے اور اپنی موت میں تاخیر سے مسرور ہو کر بیدار ہو گا، یہاں تک کہ وہ اپنے رب کریم سے ملے اور اپنے مافات کی تلافی کرے"

(امام ابن قیم رحمہ اللہ، الروح، صفحہ ۷۹)

از

فضیلۃ الشیخ محمد مقیم فیضیؔ رحمہ اللہ

صوبائی جمعیت اہلِ حدیث ممبئی

اداریہ

اے دورِ جدید کے معمارو!

محمد مقیم فیضی

یہ دل لگی نہیں دل کی لگی ہے

اس دنیا میں آب بقائے دوام کہیں نہیں ہے اس لئے سارے پرانے چارہ گر اٹھتے چلے گئے، اگلی پیڑھی کے جو تھوڑے سے ادھر ادھر رہ گئے ہیں ان کا بھی چل چلاؤ ہے، یہ روایت باوا آدم ہی سے چلی آتی ہے کہ جب اس زمین کے قدیم باشندوں کے بلاوے اپنے ڈھب پر آنے لگتے ہیں اور وہ اپنی منزل کی طرف کوچ کے لئے رخت سفر باندھ رہے ہوتے ہیں تو وہ اپنے گوناگوں تجربات اور زندگی سے حاصل کردہ سرمائے نسل نو کو منتقل کرجاتے ہیں، یہ لامتناہی سلسلہ یوں ہی چلا جارہا ہے۔ ہر پیش رو نسل آنے والی پیڑھیوں کے لئے کچھ نہ کچھ اضافے کرتی چلی گئی ہے۔ یہ حقیقت معلوم ہے کہ انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں، ایک مادی اور دوسرا معنوی۔ آج مادیت اپنی ترقی کے معراج کمال اور اوج ثریا پر ہے، مگر معنویت کا معاملہ مادیت سے الگ ہے، اگرچہ اس میں بھی روایتوں کا تسلسل قدیم ہے مگر اس میں ترقی کا معیار مادیت سے جداگانہ ہے، جہاں تک سوال مادی ترقی سے استفادے اور اس میں مفید اضافے کا ہے تو اسلام نے کسی بھی نفع بخش چیز سے بشرطیکہ وہ اس کے اصولوں اور ثوابت سے ٹکراتی نہ ہو منع نہیں کیا ہے بلکہ ضابطوں کے ساتھ اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اور اس ضمن میں اس اصول کو تسلیم کیا ہے کہ انسانی تجربات دنیائے انسانیت کی مشترکہ میراث ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ سب عطیۂ الٰہی ہے اور اس کے پیچھے سید کائنات کی رہنمائی اور ہدایت ہی کارفرما ہے، ورنہ انسانی عقل کی رسائی میں وہ باتیں آ ہی نہیں سکتی تھیں جو ترقی کی بنیاد بنتی ہیں۔

موجودہ دور کے ترقی یافتہ وسائل جن کا تعلق زندگی کے مختلف شعبوں سے ہے اپنے اندر مثبت اور منفی دونوں پہلو رکھتے ہیں مگر ان کا مدار ان کے استعمال کرنے والوں پر ہے۔

چونکہ آج ہماری گفتگو کا محور ائمہ ودعاۃ ہیں اس لئے ہمارا سلسلہ تحریر اسی موضوع کے گرد طواف کرتا رہے گا۔

تعلیم وتربیت اور دعوت کی کامیابی میں ابلاغ وترسیل کے بہتر اسلوب اور عمدہ طریقۂ کار کا بڑا کردار ہے اس لئے ہمارے علماء نے اس سلسلے میں اپنے تجربات کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے، اور جدید دور کے اہل علم نے اس ذخیرے میں بیش بہا اضافے کے ساتھ اسے نکھارنے کی بھی پوری پوری کوشش کی ہے، جس کا فائدہ الحمدللہ ہورہا ہے۔ اور تھوڑی سی محنت کا بڑا ثمرہ مل جاتا ہے۔

یہ دورات تدریبیہ (ریفریشر کورسیس) بھی انہیں کاوشوں کا ایک حصہ ہیں جن میں مادی ومعنوی دونوں پہلوؤں سے بحث کی

جاتی ہے، اور اپنی صلاحیتوں کی شناخت، انہیں نکھارنے اور جلا بخشنے، اورانہیں دوسروں کے لئے زیادہ سے زیادہ نفع بخش اور مفید بنانے کے گر اور طور طریقے مختصر سے وقت میں بڑی خوبی کے ساتھ شرکاء کی طرف منتقل کردئے جاتے ہیں، ورکشاپوں کی ترتیب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ان میں نظریاتی معلومات کے ساتھ عملی نمونے بھی پیش کئے جاتے ہیں اور خود استفادہ کرنے والوں کو اپنی نئی معلومات کی عملی تطبیق کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔

اس لئے ایسے پروگراموں کا انعقاد چھوٹے بڑے پیمانے پر مختلف جہات سے ہونا چاہیے۔ اور اسی کے پیش نظر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنی توجہ کی باگ ڈور ادھر موڑے ہی رہتی ہے۔اور یہ سب کام اللہ کی توفیق ہی سے ہوتے ہیں۔اب آیئے کچھ باتیں معنویت کے متعلق بھی ہوجائیں جنھیں ہم مختلف ذیلی سرخیوں تحت کرلیتے ہیں تاکہ ارتکاز میں آسانی ہو:

۱- ائمہ ودعاۃ اوران کی صلاحیتیں:

مساجد اسلام میں تعلیم وتربیت، اصلاح قلوب واحوال اور معاشرے کی ذہن سازی کا اہم ترین مرکز ہیں جن میں ائمہ وخطباء کا کردار سب سے بڑا ہے۔ کیونکہ وہ عوام کی عقیدت وتوجہ کا خاص محور بن جاتے ہیں جن سے انہیں اپنی درست رہنمائی اور روحانی تربیت کی خصوصی توقعات وابستہ ہوتی ہیں۔ پہلے منبر ومحراب کی زینت ایسے علماء وصلحاء ہوا کرتے تھے جو اپنی علمی صلاحیتوں اور لیاقتوں میں فائق ترین ہونے کے ساتھ ساتھ زہد واتقاء کا پیکر بھی ہوا کرتے تھے۔اپنی تنخواہوں سے زیادہ انہیں فکر اپنے منصب اور ذمہ داریوں کی ہوا کرتی تھی، اخلاص ودردمندی ان کے مزاج کا خاصہ تھی اس لئے ان کی تقریریں پراثر اور تحریریں دل ودماغ کے بند دروازے کھول دیا کرتی تھیں، اور لوگوں کی زندگی میں ان کی صحبت کیمیا اثر سے انقلاب عظیم برپا ہوجایا کرتا تھا۔مگر آج حال یہ ہے کہ وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا چلے کا منظر ہرسو نظر آرہا ہے، علمی معیار آئے دن روبہ زوال ہے، اکثر ائمہ نماز پڑھانے تک محدود ہیں خطبہ ودرس اور کلمہ خیر کی نشر واشاعت سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہے، اور ان میں سے جو خطیب ہیں انہیں یہ خبر نہیں ہوتی کہ آج ان کا معاشرہ ان سے کس چیز کا تقاضا کرتا ہے اور اسے کن باتوں کی حاجت وضرورت ہے، وہ شعبان میں محرم کی تقریریں کرتے ہیں اور ربیع الاول میں رمضان کی، اہل حدیث مساجد میں سنت کے مطابق نمازیں پڑھانے والے ائمہ خال خال ہی نظر آتے ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے سب اپنی ملازمت بھگتا رہے ہوں۔ان کی امنگوں اور حوصلوں کا عالم تو یہ ہے کہ وہ دس سال پہلے جس صلاحیت پر برسر روزگار آئے تھے وہ آج بھی ماشاء اللہ جوں کی توں برقرار ہے اور سدا بہار ہے۔ انہیں اپنے منصب ومرتبے کا ذرا احساس نہیں، پہلے علماء ایک ذمہ دار مفتی بھی ہوا کرتے تھے، اب عمل فتوی تو کسی نہ کسی صورت میں برقرار ہے مگر ذمہ داری کا احساس یکسر مفقود ہوچلا ہے، دین میں بے دلیل رائے زنی فروغ پارہی ہے، جو خود تربیت کے محتاج اور اپنی تربیت سے غافل ہیں وہ عوام کی تربیت کا کام کسی طرح کرسکتے ہیں، اس لئے معاشرے کی بے

راہ روی بڑھتی جارہی ہے، مسجدوں سے اس کا تعلق بہت کمزور ہوگیا ہے، مسجدوں کا کردار صفر ہوتا جارہا ہے لہٰذا ان نوجوان ائمہ کو جو مسجدوں کی رونق بنے ہوئے ہیں ہماری نصیحت یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے اندر سے تلاش کا کام شروع کریں، انہیں سب سے زیادہ خود اپنی شناخت کی ضرورت ہے، وہ اپنے اندر کے اس انسان کو آواز دیں جو مضمحل اور پژ مردہ بیٹھا ہے۔ اسے جگائیں، جھنجھوڑیں اور بیدار کریں۔ اسے قوم کی رہنمائی کے لئے آمادہ وتیار کریں۔ اس کی صلاحیتوں کو نکھاریں، اور اگر ایسا ہوگیا تو انہیں یہ دنیا ایک الگ دنیا نظر آئے گی۔ مگر اس کے لئے سوچ بدلنی ہوگی۔ کیونکہ مومن کا ہدف دنیا نہیں رب کی اعلیٰ جنت الفردوس ہے جو اس نے اپنے ان بندوں کے لئے بنائی ہے جو اپنی زندگی کے مقصد سے آگاہ ہو چکے ہوتے ہیں اور اس کے حصول میں رواں دواں رہتے ہیں۔

انہیں چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کے لئے ایک اچھا لائحۂ عمل مرتب کریں، اس کے لئے بہتر منصوبہ بندی کریں، کتب بینی اور مطالعے کی عادت ڈالیں، اپنے بزرگ علماء سے رابطے میں رہیں، ان سے رہنمائی طلب کرتے رہیں، اسے اپنے لئے کسر شان نہ سمجھیں۔ بولنے اور لکھنے کی مشق کریں لیکن اپنی تقریروں کے لئے حضرت مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری اور تحریروں کے لئے پہلے دن سے حضرت مولانا رئیس احمد ندوی اور حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی کی تحریروں کی طرح پذیرائی کے منتظر اور خواہاں نہ رہیں۔ یہ درجہ محض تمناؤں اور آرزؤں سے نہیں ملتا، اللہ کی توفیق کے بعد ایک لمبی جدوجہد اور طویل عرق ریزی ومشقت سے حاصل ہوتا ہے۔

وہ فضلاء مدارس جنھوں نے اپنی راہ مساجد ومدارس سے الگ بنائی ہے:

یہ وہ طبقہ ہے جسے مدارس ومساجد کے نظام سے شکوہ ہے، یہ دور طالب علمی ہی سے معاشی اندیشوں سے مضطرب رہا کرتا تھا، یہ معیشت کے ادنیٰ معیار سے راضی نہیں تھا، اسے خوب سے خوب تر کی تلاش تھی، ان میں سے کچھ نے کالجوں اور یونیورسیٹیوں کا رخ کیا، کوئی طب یونانی پڑھ کے ایلو پیتھک ڈاکٹر بن گیا، کوئی پروفیسری سے سرفراز ہوا، کوئی مترجم بن کر سفارت خانوں اور دیگر سرکاری اور تجارتی اداروں میں سیٹ ہوگیا، کسی کو کہیں کلرکی مل گئی اور وہ خوشی سے پھول گیا، باقی جن کی تعلیم کا سلسلہ آگے نہیں بڑھ سکا ان میں جو زیرک تھے، ٹراویلس والوں کے ساتھ جڑ گئے، اور کبھی اللہ کے فضل سے قسمت نے یاوری کی تو کوئی تجارت ہاتھ آ گئی اور چل نکلے۔ معاشی مسئلہ حل ہوگیا۔ اب ان کی نگاہوں میں اگر سب سے کمتر کوئی مخلوق ہے تو وہ مولوی ہے۔ ان میں سے کچھ نے اپنی داڑھی اس لئے منڈوالی ہے کیونکہ یہ مولویت کی نشانی ہے، مدرسہ والا لباس انہوں نے اس لئے ترک کردیا ہے کہ وہ دقیانوسیت کی علامت ہے، اب یہ میاں نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا اسماعیل گوجرانوالہ وغیرہ وغیرہ کی کتابوں سے الرجک ہیں، انہیں جناب وحید الدین خان صاحب اور فلاں فلاں کی کتابیں ہی دین فہمی کا سرچشمہ نظر آتی ہیں، انہیں منٹو، کرشن چندر، محمد خان، پطرس بخاری، فیض، اختر شیرانی، اور

ابن صفی اور نہ جانے کن کن سے دلچسپی ہے۔ یہ حد سے زیادہ سیکولر ہو چکے ہیں، انہیں عقیدے کے مسائل پر گفتگو سے تعصب اور نفرت کی بو آنے لگی ہے، اگر اتباع کتاب وسنت اور ترک تقلید کی باتیں کی جائیں تو انہیں غصہ آتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے ان کی دوستیوں پر منفی اثر پڑتا ہے۔ یہ دوسروں پر چھوٹے بڑے کی تمیز کے بغیر تنقید اور استہزا کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں مگر خود پر ادنیٰ تنقید برداشت کرنے کی صلاحیت سے عاری ہیں۔ جب کبھی انہیں قوم وملت کا درد ستاتا ہے تو وہ مولوی کے خلاف اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگتے ہیں اگر مولوی کوئی نصیحت کرے، شرعی نقطۂ نظر سے کوئی مشورہ دے، نصح وخیر خواہی یا اصلاح کی کوئی بات کرے تو وہ اس سے کارخانوں، کمپنیوں، تجارتوں اور نوکریوں کی فراہمی کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں مگر خود چائے کی پیالی میں طوفان اٹھانے سے آگے کبھی نہیں بڑھتے إلا ماشاء اللہ، ان کی نگاہ میں مولوی سب سے کم عقل ہے مگر وہ اسی سے بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کی مانگ کرتے ہیں جبکہ ان کی اپنی اعلیٰ دماغی کی معراج صرف زبانی جمع خرچ تک ہوتی ہے، یہ مولوی کو چندہ بٹورنے کے طعنے دیتے ہیں غبن کے بڑے بڑے الزام اس کے سر تھوپتے ہیں جبکہ یہ مولوی چاہے جتنا بڑا مفاد پرست ہو اس سے قوم وملت کا کچھ نہ کچھ بھلا ضرور ہوتا ہے۔ مگر جب یہ اپنے تجدیدی کارناموں کے لئے اٹھتے ہیں تو والی وال اور فٹ بال میچ کے ٹورنامنٹ سے قوم کی تاریخ بناتے ہیں اور مشاعروں کی محفلیں سجا کر ملت کا نام روشن کرتے ہیں، یہ سب کا محاسبہ کرتے ہیں مگر ان کا حساب لینا والا کون ہے؟ یہ حد سے زیادہ احساس برتری کا شکار ہیں اس لئے سوائے نجی ضرورتوں کے انہیں کسی کے پاس آنا جانا، ملنا جلنا، جلسوں اور میٹنگوں میں شرکت کرنا اپنی شان سے فروتر نظر آتا ہے۔

کچھ ان میں ایسے بھی ہیں جو اچھی صلاحیتوں اور خصلتوں کے مالک ہیں، ان کے دل ملی اور جماعتی ہمدردی سے بھی معمور ہیں مگر جہاد زندگانی سے وہ اس کے لئے کچھ زیادہ وقت نہیں نکال پاتے، دنیا ایسی ہی واقع ہوئی ہے جو فکر معاد کے لئے کم ہی وقت نکالنے دیتی ہے۔

یہ دونوں طرح کے لوگ اپنے اندر کی راکھ میں اعلیٰ قسم کی چنگاریاں چھپائے ہوئے ہیں، اگر انہیں مناسب ہوا فراہم ہو سکے تو اس آتش خفتہ سے بڑے بڑے تعمیری ہنگامے وجود میں آسکتے ہیں اور وہ صلاحیتیں جو کار بیکاری کی نذر ہو رہی ہیں ان سے وقت کے تقاضے اور امت کی ضرورتیں پوری ہونے لگیں گی۔ کیونکہ اس وقت فتنوں اور فتنہ پردازوں کی بہتات میں امت کو مصلحین اور رہنماؤں کی کثرت مطلوب ہے اور یہ کام ان عناصر سے پوری طرح لیا جاسکے گا۔ کاش یہ حضرات اپنی اصل افادیت کو محسوس کرسکیں۔ رب یسرو اهدهم إلى سواء السبيل۔

۲- تحدیات اور عملی میدان :

● **ہمارے عوام :**

عوام اپنے حکمرانوں، رہنماؤں اور علماء کے تابع ہوتے ہیں، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہمارے ملک میں مسلمان اقلیت

میں ہیں ان پر اکثریتی تہذیب وتمدن کا دباؤ ہے،تعصب کی مار الگ سے جھیل رہے ہیں، ایسی صورت میں اگر دین سے دوری اور جہالت انہیں معنوی تیاریوں اور بلندیوں سے بھی محروم کردے تھےتو پھر وہ کسی اجنبی یلغار کے منفی اثرات سے خودکو بچانے میں کب کامیاب ہوسکتے ہیں۔اسی لئے آج مسلم معاشرہ سب سے بکھرا ہوا اور غیر متوازن ہے، اس کی بنیادیں حد درجہ کھوکھلی ہوچکی ہیں۔ وہ زندگی کے شعبے میں کامیابی اور اطمینان سے دور ہوتا چلا جارہا ہے۔اس میں ذمہ دار عناصر کی کمی میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، اپنی ذات سے آگے سوچنے کی صلاحیتیں کم ہوتی جارہی ہیں۔قوت برداشت جواب دینے لگی ہے، اشتعال اندر ہی اندر سب کوکھائے جارہا ہے۔قہر درویش بر جان درویش کی کیفیت اکثر ہوتی ہے، اور کبھی کبھی اظہار خطرناک شکل میں باہر آتا ہے۔ عاجلانہ فیصلے کثرت سے ہورہے ہیں، منصوبہ بندی اور تنظیم عمل کا فقدان ہے۔عقیدے متزلزل ہیں، توہم پرستی عام ہوتی جارہی ہے، زندگی کی باگ ڈور علم اور دلائل کی بجائے عقیدتوں اور چاہتوں کے حوالے ہوگئی ہے۔فیصلے عقل وشعور سے کم، جذبات کے واسطے سے زیادہ ہورہے ہیں۔اور جذبات سے کھیلنے والوں کی کثرت ہے۔بس قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔

● مسلم معاشرے کی جماعتیں اورتحریکیں:

یہ خبر صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے دے رکھی ہے کہ امت فرقوں میں بٹ جائے گی، اگلی امتوں کی پیروی قدم بہ قدم ہوگی، ان کے سب انحرافات اور ان کی سب بدعتیں اس امت میں متداول ومقبول ہوجائیں گی اور اسلام اپنوں ہی میں غریب ہوجائے گا۔آج وہ سب پیشینگوئیاں حرف بہ حرف صادق آرہی ہیں، غربت اسلام مستحکم ہوچلی ہے، فتنے ابلتے اور امڈتے چلے آرہے ہیں، بھانت بھانت کی تحریکیں اودھم مچائے ہوئے ہیں، امت کا نوجوان طبقہ ان کے لئے نرم چارہ ہے، وہ قوت دفاع اور حفاظتی تدبیروں سے محروم ہے، فکری یلغاروں کے سامنے بہت جلد ڈھیر ہوجاتا ہے، علم سے محرومی اور اپنی عقل کے متعلق ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی خوش فہمی اسے کشاں کشاں مختلف جالوں کی طرف لے جاتی ہے اور وہ ان میں بری طرح پھنس جاتا ہے۔جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری کی چکاچوند اس کی قوت فکر وبصارت کو ماند کردیتی ہے۔وہ اپنے دشمنوں ہی کو اپنا مسیحا سمجھ لیتا ہے اور ان کی چارہ گری پر ایمان لے آتا ہے۔پھر نتیجہ اندیشوں کے مطابق ہی نکلتا ہے اور وہ اپنا سب کچھ ہار دیتا ہے۔ بڑے بوڑھے بھی کچھ کم آزمائشوں سے دوچار نہیں ہیں، سالہا سال کی محکومیت نے ان سے قوت فکر وعمل چھین لی ہے اب انہیں اپنی آنکھ سے آگے کی دنیا دکھائی نہیں دیتی ہے، جب سب کچھ ان کے قابوں سے باہر چلا گیا تو انھوں نے ہتھیار ڈال دیا ہے، اور تن بتقدیر ہوکر اپنی حالت پر قانع ہیں۔جبکہ شکاری بڑے شاطر اور چابکدست ہیں، وہ برابر اپنا کام کئے جارہے ہیں، اب جو عادل ہیں، امین ہیں، امت کے حارس وداعی ہیں ان کی ذمہ داریاں کس قدر نازک اور سنگین ہیں اور کیسی صلاحیتوں کی متقاضی ہیں؟ کیا علمبرداروں اور اس کے دعویداروں میں کچھ واقعی زندگی اور توانائیوں کے آثار نظر آتے ہیں؟

ہاں اے محبان گرامی!

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

- **دنیا کے بڑے تاجر جو ساری دنیا کو اپنا غلام اور محکوم دیکھنا چاہتے ہیں :**

امت خود فراموشی کا شکار ہے، اب وہ اپنا سب کچھ دوسروں کی آنکھ سے دیکھنے اور دوسروں کی عقل سے سوچنے کی عادی ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ اپنا عقیدہ، اپنی کتاب، اپنا مشن اور اپنا پیغام بھلا بیٹھی ہے، اس لئے وہ ان تاجروں کے بچھائے ہوئے سنہرے جال میں بڑی آسانی سے پھنس جاتی ہے، وہ اپنے خلاف خود ہی اپنے دشمنوں کا آلۂ کار ہے، اور انہیں کی خوشنودی اس کا مقصود و مطلوب بن چکی ہے۔ وہ ان کے لئے اپنوں کا گلا کاٹتی ہے اور اپنا ہی مال ان کے ہاتھوں گراں خرید کر خوش ہوتی ہے۔ ان کی خوشی کے لئے اپنے شہروں کا امن بیچ کر جنگ خرید لیتی ہے۔ اور ان کی ایما پر اپنوں کو مارنے کے لئے امپورٹیڈ اسلحوں کی کھیپ کی کھیپ اپنے شہروں میں لاتی ہے۔ اپنی عورتوں اور بچوں کی لاشوں پر ان کے لئے جشن کا سامان کرتی ہے۔ اور انہیں نت نئی تجارتوں کے مواقع فراہم کرتی رہتی ہے۔ یہ تاجر اسے سود وزیاں کا حساب لگانے ہی نہیں دیتے۔ ان کے پاس مولوی، صوفی، پروفیسر، صحافی، دانشور، سیاستداں ہر ایک کو پھانسنے کے لئے الگ الگ پھندے ہیں اور دیر سویر ہر ایک ان میں پھنس کر ہی رہتا ہے۔ ایسا نہیں کہ دشمن بہت قوی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم خود ہی اپنی قوت کے سرچشمے ''کتاب اللہ وسنتی'' سے دور ہو گئے ہیں۔۔ اور بہ ہزار فلسفہ ان سے گریز کی راہ نکال لیتے ہیں۔ اور اللہ کا نظام یہ ہے کہ: (اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔

گروہ متعالمین المعروف بہ برادرس :

ورقیوں، صحفیوں، متعالمین، بقلم خود قسم کے مصلحین اور نا اہل دعاۃ و اعظین کا رونا محدثین اور اہل علم عہد قدیم ہی سے روتے چلے آئے ہیں، اس میدان میں گھس پیٹیوں کا شکوہ انہیں سدا ہی سے رہا ہے۔ اس لئے اگر پرانے کھلاڑی نئے لبادے میں نظر آرہے ہیں تو ہمیں چنداں تعجب نہیں ہے۔ صدر نشینی، پذیرائی موقع پرستی کی خوگر یہ برادری نا اہلی کے باوجود اپنی اداکاری کے جوہر اور ایک خاص ہنر سے مختلف میدانوں میں اپنی راہیں نکالتی چلی ہی آئی ہے۔ اس کے پاس پروپیگنڈے کی زبردست قوت ہوتی ہے، اور عوام کی کم عقلی اور سادہ لوحی سے یہ سدا فائدہ اٹھاتی آئی ہے۔ مگر اس کی چرب زبانی اور بے اصولی سے نت نئے فتنے جنم لیتے ہیں جو علماء کے لئے مستقل دردسر بنے رہتے ہیں اور ان کے مقابلے میں ان کی ڈھیروں توانائیاں ضائع ہوتی رہی ہیں۔ آج یہ گروہ متعالمین برادرس کی شکل میں منظر عام پر آیا ہے اور بڑے اخلاص کے ساتھ فساد فی سبیل اللہ کا ذریعہ بن رہا ہے اور اس کے ذریعہ دین واخلاق کے لئے مختلف قسم کی آفتیں جنم لے رہی ہیں۔ اس کا جہل مرکب طرح طرح کے گل کھلا رہا ہے اور ان سب کا نقصان دعوت کو پہنچ رہا ہے، نوجوانوں کی بری تربیت ہو رہی ہے۔ خودسری اور انا رکی فروغ پا رہی ہے، انضباط ختم ہوتا جارہا ہے، علمی دروس میں حاضری اور علم دوستی کی بجائے، ذوق تماشا کی تسکین اور اداکاری اور تشہیری گروں پر

وارفتگی کا رجحان بڑھتا جاتا ہے۔ اور ہمارے بعض سادہ لوح مدارس کے کچھ فضلاء عوام کی بھیڑ اور فالورس کی کثرت دیکھ کر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ بڑا کام ہو رہا ہے۔ مگر اہل علم کو ان حالات سے دلبرداشتہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ ان کا منصب اور ڈیوٹی ہی غلط افکار و اعمال کی اصلاح اور فتنوں سے نبرد آزمائی ہے۔ اور اسی سے ان کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔ مگر اس بات کو بھی ماننا پڑے گا کہ دعایہ و تشہیر اور اپنے آپ کو ایک خاص قرینے اور سلیقے سے پیش کرنے کا بھی اپنا اثر ہوتا ہے، دنیا کی اکثریت ظاہری چمک دمک کی دلدادہ ہے، ابھی مکہ میں جامعہ ام القری کے ایک قدیم و بزرگ استاذ سے جو شاید حرم میں بھی کسی منصب توجیہ و ارشاد پر فائز ہیں ملاقات ہوئی تو انھوں نے ایک برادر کے متعلق تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ شیخ فلاں کے ساتھ ساتھ ایسا ایسا ہوا اور وہ اور ان کے صاحبزادے کچھ دیر تک ان کی ثناء خوانی کرتے رہے۔ وللہ فی خلقه شئون

فکری نشریات اور نظریاتی حملوں کا نیا پلیٹ فارم شوشل میڈیا:

فیس بک، یوٹیوب، ٹیوٹر اور اب وہاٹس اپ۔ ان تیز رفتار ذرائع ابلاغ نے بڑی جلد دنیا پر اپنا شکنجہ کس کے اسے مٹھی میں لے لیا ہے۔ اور اب یہ پلیٹ فارم نظریاتی تخریب کاروں کا سب سے بڑا ہتھیار بن چکے ہیں، ہاں ان میں تعمیر کے مواقع بھی موجود ہیں، مگر جن شاطروں نے انہیں بنایا ہے وہ بڑے عیار ہیں اور ان کا شیطانی دماغ ہمہ وقت بیدار اور حد درجہ تیز رفتار ہے۔

جبکہ امت بڑی غیر تربیت یافتہ اور سادہ لوح ہے۔ یہ تمناؤں میں الجھتی ہے اور کھلونوں سے بہلتی ہے، اور یہ حقیقت عالم آشکارا ہے۔ اس لئے شراب سے پہلے سرور لانے والا دشمن اس سے خوب آنکھ مچولیاں کھیلتا رہتا ہے۔ یہ موضوع طوالت طلب ہے اس لئے ہم فی الحال اس میں آگے نہیں بڑھنا چاہتے البتہ ہم جماعت اہل حدیث کے ان فرزانوں کے ساتھ تھوڑا وقت ضرور گزارنا چاہیں گے جو اپنے دعوے کے مطابق اس پلیٹ فارم پر بغرض اصلاح سرگرم عمل تھے۔ ان میں دانشور، صحافی، ادیب، قلمکار، اونچے درجے کا پڑھا لکھا طبقہ ڈاکٹر، انجینئر، وکلاء وغیرہ وغیرہ اور علماء ومشائخ سبھی تھے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کچھ لوگوں نے اپنی طبعی شائستگی کا دامن آخر وقت تک تھامے رکھا تھا، کچھ مخلص و دردمند نصیحت و خیر خواہی کے آداب اور ضابطوں سے پوری طرح ہم آہنگ تھے مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثریت کا عالم یہ تھا کہ لوگ :

- پرجوش تھے، بپھرے ہوئے تھے، مشتعل تھے، اپنے آپ میں نہیں تھے، قابو سے باہر تھے۔
- زبان و بیان، اسلوب، لب و لہجہ سب کے سب ہر طرح کے قید و بند سے آزاد تھے۔
- ایسا لگتا تھا ہر شخص پر اظہار رائے کا، گفتگو کا، تقریر و تحریر کا بھوت سوار ہو، قطع نظر اس کے کہ اس کے مضمرات کیا ہوں گے؟ اس کی ضرورت ہے یا نہیں ہے؟ جو گفتگو کی جارہی ہے اس کے لئے یہ پلیٹ مناسب ہے یا نہیں ہے؟ باتوں کا اثر مثبت ہوگا یا منفی؟ حصول مقاصد کے امکانات روشن ہیں یا معدوم؟ ان

سب باتوں پر غور کرنے کی نہ کسی کو فرصت تھی نہ اس کی ضرورت محسوس کی گئی۔

جمعیت کا انتخاب شوشل میڈیا پر لڑا جا رہا تھا۔

ان احباب اور بزرگوں نے یہ دیکھا کہ سیاسی انتخاب کے لئے شوشل میڈیا بڑا موثر پلیٹ فارم ثابت ہو رہا ہے، یا عوام نے فلاں فلاں حکومت کا تختہ الٹ دیا تو انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ بس ہم بھی یہیں سے انقلاب عظیم بر پا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

- حالانکہ تنظیموں کے ووٹر عوام نہیں خواص ہوا کرتے ہیں۔اوران پر اس شوشل میڈیا کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا ہے۔
- جو باتیں کہی گئیں، جو تبصرے کئے گئے، اور جواب آں غزل کے طور پر جو تحریریں سامنے آئیں ان سے تو یہی لگا کہ شاید اس جماعت میں اب کوئی شریف آدمی باقی نہیں رہ گیا ہے سب کے سب کسی نہ کسی جھول کا شکار ہیں اور سب پر حدود وقصاص کی دفعات لگی ہوئی ہیں۔اچھے اچھوں کی پگڑیاں اچھل گئیں۔
- ایک دوسرے کے خلاف اپنے دلوں کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے دوسروں کے حرم کے پردے اٹھائے گے کرتوتوں کی سچی جھوٹی اعمال شماری میں پردہ نشینوں کے نام سر بازار اچھالے گئے۔اور یہ سارے کام مصلحانہ سرگرمیوں کے نام پر کئے گئے۔
- دستور کے شورائی، جمہوری، اسلامی، غیر اسلامی ہونے پر ان لوگوں نے بحثیں کیں جنھوں نے شاید اس کی شکل بھی نہیں دیکھی ہوگی۔
- دستور سازی پر رائے زنی کے لئے ایسی شخصیتیں سامنے آئیں جن کے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ انہیں نہ تو اسلامی ضابطۂ تنظیم اعمال سے آگاہی ہے نہ دنیاوی ادارتی علوم اور مینجمنٹ کے اصولوں کی کوئی خبر ہے۔ جماعتی نظام کے اسلامی اصولوں کی بجائے عام طور پر بحثوں کا رخ خلافت امارت اور بیعت کی طرف چلا جاتا ہے۔جبکہ یہاں دور دور تک حکمرانی کے آثار نظر نہیں آتے۔
- جس کسی نے زبان کھولی اور تیزی وتندی کا مظاہرہ کیا اسے اینٹ کا جواب پتھر سے ملا اور سیر کو سوا سیر۔
- اسی ماحول میں جو ناصح سامنے آیا وہ نکو بن گیا، اور اسے بھی گروہ بندیوں کے پیمانے پر آنکا گیا۔
- شوشل میڈیا کی رسائی گھر گھر ہے۔ نئے جماعتی یا نرے عوام حیران وششدر ہیں کہ یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے، ہمارے مقتداؤں اور پیشواؤں کی دال تو جوتیوں میں بٹ رہی ہے۔

اکرام مسلم، ستر عورات، تنابز بالالقاب سے گریز، آنکھ، زبان اور دل کی مسئولیت، اعلیٰ اخلاقی ضابطوں پر مبنی قرآن وسنت کی تعلیمات وہدایات اور سیرت طیبہ کے نمونے کیا یہ سب محض عوامی تقریروں اور تحریروں کے لئے ہوا کرتے ہیں کیا یہ سب فقط ومنبر ومحراب کی باتیں ہیں؟

اور غیر جماعتی لوگ بغلیں بجا رہے ہیں کہ واہ بھائی واہ قرآن وسنت والو۔ اللہ کرے جوش جنوں اور زیادہ۔

❖ ❖ ❖

Special Issue "AL-JAMAAH" Mumbai
November - December 2017

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنے مقصد وجود اور مشن کی تکمیل میں بحمد للہ بساط بھر سرگرم عمل ہے اور خالص اسلام (کتاب وسنت) کی نشر واشاعت، دعوت الی اللہ، اصلاح نفوس، اصلاح ذات البین اور تعلیم وتربیت سے متعلق سرگرمیوں میں اپنا کردار نبھانے کی بھرپور سعی کر رہی ہے۔ ذیل میں اس کی سرگرمیوں کا ایک خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

- ماہانہ تربیتی اجتماعات کا انعقاد۔
- جلسے اور کانفرنسیں۔
- انفرادی ملاقاتیں اور دعوتی دورے۔
- ہینڈ بل، اشتہارات اور کتابوں کی اشاعت۔
- ہر ماہ الجماعہ کی اشاعت۔
- مفت کتابوں کی تقسیم۔
- مکاتب کا ماہانہ تعاون۔
- ضرورت مند افراد کا تعاون۔
- مصائب وحادثات سے دوچار پریشان حال لوگوں کا تعاون۔
- نزاعات کے تصفیہ کے سلسلے میں تگ ودو۔
- دعاۃ کی تربیت کا اہتمام وغیرہ۔

دینی وجماعتی شعور رکھنے والے تمام غیرت مند افراد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ مذکورہ مشن کی تکمیل میں جمعیت کا بھرپور تعاون فرمائیں۔ جزاھم اللہ خیراً

A1 Grafix Studio : +91-9819189965

Published by :

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.
Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com
@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com